

# مذہب اور ملٹی کلچرل جمہوریت

انجم نعیم

## کثیر

ثقافتی جمہوریت میں مذہب، یا یوں کہئے کہ کثیر ثقافتی جمہوریت میں مذہبی شناخت کے ساتھ زندہ رہنے کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے، خود موضوع کی سطح پر فی الوقت اتنا ہم سوال ہے کہ اس کی اہمیت و افادیت سے شاید ہی کوئی صاحب فکر و نظر انکار کر سکے اور یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دنوں امریکی سفارت خانے کے شعبہ ثقافتی امور کی جانب سے اس موضوع پر واشنگٹن، دہلی اور جموں کے دانشوروں اور صاحبان فکر و نظر کو ڈیجیٹل ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کیا گیا تو اس اہم سوال پر ہندوستانی اور امریکی معاشرے کے تناظر میں اتنے اہم نکات زیر بحث آئے کہ سیر حاصل گفتگو کے باوجود وقت کی کمی کا احساس ہوا۔

واشنگٹن میں واقع اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ اسٹوڈیو سے جارج نائون یونیورسٹی، واشنگٹن کے ڈاکٹر زاہد بخاری، امریکن سینٹر دہلی سے جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی کے ڈاکٹر امتیاز احمد اور جموں سے جموں یونیورسٹی کے ڈاکٹر جگر محمد نے امریکہ اور ہندوستان کے تناظر میں جہاں اس موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا وہیں دہلی اور جموں کے دیگر شرکاء جن میں ایک اچھی خاصی تعداد طلباء کی تھی نے بھی اپنے اپنے خیالات پیش کئے۔

شعبہ ثقافتی امور کے ذمہ دار عدنان صدیقی اس مذاکرے کی نظامت کر رہے تھے اور انہوں نے اپنی ابتدائی گفتگو میں موضوع کی وضاحت میں کثیر ثقافتی جمہوریت میں مذہب کے مقام کی اہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بات شرح و ربط کے ساتھ کہی کہ کسی بھی مذہبی، لسانی یا نسلی اکائی کے لئے اپنے معاشرے میں ایک قابل اعتبار مقام بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرتی سطح پر تعمیر کاموں میں اپنی زیادہ سے زیادہ شمولیت کا احساس دلانے۔ دوسری طرف جس معاشرے کی بات کی جارہی ہے، اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی بنیاد جمہوری قدروں پر رکھی گئی ہو، جہاں غیر جانبدارانہ، مساویانہ اور عادلانہ ترقی ہو اور معاشرہ باہمی اتفاق اور ایک دوسرے کو قبول کرنے کی صفت کا حامل ہو۔ عدنان صدیقی کہتے ہیں کہ سب سے پرانی جمہوریت، امریکہ اور سب سے بڑی جمہوریت ہندوستان کے لئے کثیر ثقافتی معاشرے کی اہمیت پر فی الوقت ایک سنجیدہ گفتگو کی اس لئے بھی سخت ضرورت ہے کہ ان دونوں معاشرے میں عالمی سطح پر بدلتے ہوئے حالات میں بدقسمتی سے اسلام کے بارے میں کچھ منفی تصورات ابھرے ہیں۔ انہوں نے اپنی ابتدائی گفتگو میں ہی تکلیمات کو الگ رکھ کر جس طرح بغیر تحفظات کے موضوع کا تعارف کرایا تھا اس نے پورے

مذاکرے کا رخ متعین کر دیا۔ دو مہینے قبل ہندوستان کے چار مختلف شہروں میں اسی نوع کے موضوع پر گفتگو کر کے واپس جانے والے ڈاکٹر زاہد بخاری نے امریکی معاشرے کے تناظر میں مسلمانوں کی جانب سے ایک نئے کلچرل زون کی تعمیر کی کوششوں کا جہاں تفصیلی خاکہ پیش کیا وہیں پروفیسر امتیاز نے اجمالی طور پر یہ بتانے کی کوشش کی کہ ہندوستانی معاشرے میں وقت کے ساتھ مسلمانوں نے سیکھا ہے کہ کس طرح دوسرے لوگوں کی معاشرت کا احترام کرتے ہوئے اپنی شناخت کے ساتھ زندگی گذاری جاسکتی ہے۔ اور ایک جمہوری معاشرے میں ہر سطح پر شراکت کے رویے کی کتنی اہمیت و افادیت ہے۔ پروفیسر جگر کا جہاں اس پر اصرار تھا کہ مسلمانوں کے تین ان دو معاشروں میں بعض نہایت منفی کامن مس انڈر اسٹینڈنگ ہے وہیں وہ بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ایک جمہوری معاشرے میں اقلیت میں رہنا ایک غیر جمہوری معاشرے میں اقلیت میں رہنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ بقول پروفیسر امتیاز احمد ”جب آپ کسی جمہوری معاشرے میں رہتے ہیں تو سیکھنے اور تجربہ بات کرنے کا مسلسل عمل جاری رہتا ہے اور بعض مسائل کے باوجود آپ اپنے مخصوص تناظر کے ساتھ زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں۔“





کراکھ: عینت بھٹناگر

نژاد لوگوں کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آچکے ہیں اور انہوں نے ان حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی مثبت کارکردگی سے امریکی معاشرے میں اپنے لئے ایک باوقار اور با اعتبار مقام حاصل کیا۔ مسلمانوں نے بھی حالات کی روشنی میں اپنے رویوں میں تبدیلی کی ہے اور وہ نئے الائنس بنانے کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہوئے ہیں اور اس میں انہیں اطمینان بخش کامیابیاں بھی حاصل ہو رہی ہیں۔ گیارہ ستمبر کے بعد امریکہ میں اسلام اور مسلم معاشرے کو سمجھنے کی جو ایک تیز رو چلی ہے، ڈاکٹر زاہد بخاری، اس کی وجہ امریکی معاشرے کے اسی رویے کو قرار دیتے ہیں۔ □

اور لسانی شناخت کے ساتھ اسی طرح رہ سکتی ہیں جیسے کسی طبقہ میں مختلف سبزیوں یا پھلوں کی خوبصورت سلاخ، جس میں ہر پھل اور سبزی اپنا ذائقہ، رنگ اور خوشبو باقی رکھتی ہے اور اپنی شناخت نہیں کھوتی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف قوموں سے بنا ہوا ایسا معاشرہ جس میں مذہبی، لسانی اور تہذیبی شناخت دوسروں کے لئے خوشگوار اور پسندیدہ بھی ہوتی ہے اور اپنے رنگ و روغن کے ساتھ باقی بھی رہتی ہے۔ ڈاکٹر زاہد بخاری نے کہا کہ گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کو یقیناً ایک پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے یہودی اور چا پانی

ماضی کے تجربوں سے جہاں اس بات پر اب ایک اجتماعی اتفاق ہو گیا ہے کہ جمہوری معاشرے ہی مساویانہ اور عادلانہ تعمیر و ترقی کی راہ وا کرتے ہیں و ہیں اس حقیقت کو بھی اعتبار حاصل ہوا ہے کہ معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لئے کاسن کلچر کی بجائے ملٹی کلچر کا تصور زیادہ قابل عمل، پسندیدہ اور کامیاب ہے۔ قومی یکجہتی کا تصور بھی اسی ملٹی کلچر ازم کی توسیعی و تکمیلی شکل ہے۔ البتہ ایک ملٹی کلچر معاشرے میں اقلیتوں کا کردار قومی یکجہتی کے کردار سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ہر طبقے کی معاشرتی حقیقت کے تصور کو قبول کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مذہبی، لسانی، فکری، نسلی۔ لیکن ان تمام شناختوں کی موجودگی کے باوجود ایک مین اسٹریمشنر کے قدروں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس میں نہ کسی اکائی کی مخصوص شناخت کے گم ہونے، نہ کسی میں انجذاب اور نہ کسی کے جمبول ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ طرز عمل بیک وقت دو پر توں میں کام کرتا ہے۔ اپنے ملک اور اپنی شہریت کے سلسلے میں ایک خاص قسم کے ذمہ دارانہ تعلق کا جذبہ تو دوسری طرف اپنی جڑ اور اپنی روایت سے جڑے رہنے کی خواہش کو قائم رکھنے کی آسانی۔ ڈاکٹر زاہد بخاری، امریکی معاشرے کے حوالے سے گفتگو کرتے وقت اسے Mecedoin Salad کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی قومیں اپنی مذہبی



اوپر: منہب اور ملٹی کلچرل جمہوریت کے موضوع پر ہونے والے ڈی وی سی مذاکرے میں دعویٰ کے شرکاء، عدنان صدیقی، ڈاکٹر امتیاز احمد و دیگر۔  
دائیں: اسکریں پر واشنگٹن ڈی سی سے ڈاکٹر زاہد بخاری (دائیں) اور جموں سے پروفیسر جگر محمد (بائیں) دیکھے جاسکتے ہیں۔

